پروفیسر محمد مسلم

تصوّف کا ارتقا

مشہور مورخ و محقق فلپ حِطّی کے خیال میں تصوف چار زینوں، باطنیات (مسٹیسزم)، وجدلغیات (تھیوسوفی) وحدت الوجود اور ولایت وکرامت سے گزر کر آخری منزل یعنی تصوف تک پہنچا ہے (گو راقم الحروف کے خیال میں یہ زینے بالکل جدا جدا نہیں) حطّی کی تحریر کا خلاصہ[1] یہ ہے:

باطنیات

دوسری صدی ہجری سے مسیحی رہبانیت اور یونانی فلسفہ کے زیر اثر مسلمانوں میں ریاضات وعبادات نے باطنیات (مسٹیسزم) کا رُخ اختیار کیا۔ یعنی نفسِ انسانی کی صفائی اور تزکیۂ روح کا ذریعہ وجدانیت اور کشفِ باطن سمجھا جانے لگا، تاکہ روح عشق کے وسیلے سے ذاتِ حق کی معرفت حاصل کر سکے اور اس سے واصل ہو سکے، نہ کہ راحتِ عاقبت کے لالچ سے۔

صوفی کی معرفتِ الٰہی ایک علم باطنی ہے جو روحوں کی اندرونی روشنی سے حاصل ہوتی ہے نہ کہ نصوص شریعت یا تعقل سے۔ اس علم وجدانی کی نشو ونما ابو سلیمان الدّارانی (متوفی ۸۵۰ء) سے ہوئی جن کا مزار یاقوت[2] کے عہد تک دمشق میں مرجع عام تھا۔

لیکن ان تارک الدنیا درویشوں کے مقابلہ میں اہل باطن کے پہلے صوفی معروف کرخی بغدادی متوفی ۸۱۵ء تھے۔ ابتداءً وہ عیسائی یا صابی تھے اور عشقِ الٰہی میں سرشار خدا رسیدہ ولی مانے جاتے ہیں۔ القشیری متوفی ۱۰۷۴ء کے عہد تک ان کا مزار بغداد میں دجلہ کے کنارے زائرین کا مرجع تھا اور اس کی زیارت بیماروں کی شفا کا

---

(۱) تاریخ عرب صفحات ۴۳۲ تا ۴۴۰ (۲) بلدان ج ۲ ص ۵۳۶

قطعی وسیلہ مانی جاتی تھی ۔

ان اہل باطن کے اصول کے مطابق خدا کے سوا کسی کا وجود نہیں۔ وہ حسن ازلی ہے اور اس تک رسائی کا وسیلہ صرف محبت ہے اور محبت ہی باطنیات کی روح ہے۔

معرفتِ حق بذریعۂ وجدان

تصوف نے باطنیات (مسٹیسزم) سے وجدانیات (تھیوسوفی) کی طرف قدم بڑھایا۔ یہ اقدام جو فلسفۂ یونان، افلاطونی و نوافلاطونی کے عربی تراجم کے زمانے میں عمل میں آیا بہت نمایاں ہے۔

صوفیانہ تھیوسوفی کے نمائندہ ذوالنون مصری تھے۔ ان کا اصلی نام ثوبان ابوالفیض بن ابراہیم تھا۔ والدین نیوبیہ کے باشندہ تھے۔ انھوں نے سنہ ۸۶۰ء (۲۴۰ھ) میں الجزیرہ میں وفات پائی۔ عام صوفیہ ان کو عقائدِ تصوف کا بانی تسلیم کرتے ہیں۔ انھوں نے ہی تصوف کی مستقل تشکیل کی اور صوفیا ان کو پہلا قطب مانتے ہیں۔ ذوالنون نے اس عقیدے کی تعلیم و ترویج کی کہ صحیح معرفتِ الٰہی کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے۔ اور وہ ہے وجد و کشف۔

وحدت الوجود

تھیوسوفی سے وحدۃ الوجود تک قدم آسان تھا۔ اور یہ اقدام زیادہ تر ہندوستانی و ایرانی اثرات کے ماتحت عمل میں آیا۔ ان وحدۃ الوجودی صوفیہ کے اقوال میں بودھ مت اور مانوی طرزِ زندگی کا عکس صاف نظر آتا ہے۔[1]

بایزید بسطامی (متوفی سنہ ۸۷۵ء / ۲۶۱ھ) جن کا اصلی نام طیفور بن عیسیٰ تھا ایک مجوسی سردشان کے پوتے تھے، اور جنید بغدادی (سنہ ۹۱۰ء) کہ وہ بھی مجوسی النسل تھے اور سید الطائفہ کے لقب سے موسوم کیے گئے، وہ صوفیہ تھے جنھوں نے نویں صدی عیسوی کے اواخر (تیسری صدی ہجری) اور دسویں صدی عیسوی (چوتھی صدی ہجری) کے اوائل میں وحدۃ الوجود کو عقائدِ تصوف کا جزو اعظم بنا دیا اور فنائے ذات کی سب سے پہلے تعلیم دی۔

---

(۱) آغانی جلد ۲ ص ۲۴ - الجاحظ حیوان ج ۴ ص ۱۴۰، ۱۴۷ء

ان سے جو اقوال و احوال منسوب کیے جاتے ہیں ان کے ذمہ دار زیادہ تر شیخ فریدالدین عطار ہیں اور ان کی تردید بھی کی گئی ہے۔ فریدالدین عطار (متوفی ۶۲۷ھ یعنی جنید سے چار صدی بعد) جن کا تذکرۃ الاولیا کرامات اولیا کا خزانہ ہے۔ محققین نے اس پر بھی بحث کی ہے کہ یہ کتاب یا عطار کی دوسری تصانیف کلاً یا جزواً عطار ہی کی تصنیف کردہ ہیں) ان اقوال کے راوی قرار دیے گئے ہیں۔

حضرت بایزید سے یہ اقوال منسوب کیے گئے ہیں "میں ایک انتھاہ سمندر ہوں، میں ہی عرش، لوح محفوظ، قلم، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ، جبریل، میکائیل، اسرافیل علی نبینا وعلیہم السلام ہوں۔ کیونکہ جو بھی اصل وجود تک پہنچ جاتے وہ ذات رب میں جذب ہو جاتا ہے اور عین رب ہو جاتا ہے۔ سبحانی ما اعظم شانی۔ میں ذات پاک ہوں میری شان کتنی بلند ہے۔ عطار ان اقوال کو نقل کرکے کہتے ہیں کہ جب اہل شرع پر یہ اقوال گراں اور ناقابل برداشت گزرے تو سات بار ان کو بسطام سے نکال دیا گیا۔ پھر بھی انھوں نے ایک موقع پر فرمایا کہ " اگر میں اور مشاہدات کو بیان کروں تو تم ان کے سننے کی تاب نہیں لا سکتے۔" علم الرجال کے امام علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی لسان المیزان میں بایزید کے یہ اور اس قسم کے دوسرے اقوال نقل کرکے فرماتے ہیں" وقد نقلوا عن ابی یزید اشیاء الشک فی صحتھا عنہ۔ یعنی بایزید سے ایسی باتیں نقل کی گئی ہیں جن کی صحت مشکوک ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ اقوال حالت سُکر میں کہے گئے ہیں۔ ابو عبدالرحمٰن سلمی کہتے ہیں کہ اہل بسطام اس سے انکار کرتے ہیں اور ان کو ایک اور بسطامی حسین بن عیسیٰ سے منسوب کرتے ہیں جو آنحضرت صلعم کی جیسی معراج کا مدعی تھا اور بسطام سے خارج البلد کر دیا گیا۔" اقوال مذکورہ کے خلاف ابن حجر عسقلانی بایزید سے یہ قول نقل کرتے ہیں کہ" اگر تم کسی کی یہ کرامت دیکھو کہ ہوا میں بلند ہوتا ہے تو دھوکا نہ کھاؤ۔ یہ دیکھو کہ وہ امر و نہی اور حدود شرعیہ کا کتنا استحفاظ کرتا ہے۔ ان سے اکثر ایسے اقوال منقول ہیں جن کی صحت مشکوک ہے۔

حضرت جنید سے بھی اسی قسم کے اقوال منسوب کر دیے گئے ہیں۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ تیس سال تک خدا نے بندوں سے جنید کی زبان سے باتیں کیں اگرچہ خود جنید کا وجود نہ

تھا اور بندوں کو اس کی خبر نہ تھی۔" الغرض ان حضرات کے اثر سے جو صوفیہ میں اعلیٰ ترین مرتبہ رکھتے ہیں، متقدمین کے عقیدۂ تسلیم و رضا و ترک دنیا پر ایک مستقل عقیدۂ وحدۃ الوجود کا اضافہ ہو گیا۔

وحدۃ الوجودی صوفیہ کے امام ہسپانیہ کے محی الدین ابن العربی (۱۱۶۵ - ۱۲۴۰ء) تھے جنھوں نے دمشق میں وفات پائی۔ امام غزالی اور جنید بغدادی کے خلاف ابن العربی نے تصوف کو ایک مرموز فن بنا دیا جسے معتقدین کے خاص حلقے کے لیے مخصوص کر دیا گیا۔[1] انھوں نے عقیدۂ وحدۃ الوجود کو انتہائی عروج پر پہنچا دیا۔

ولایت و کرامت

قرآن مجید میں اولیا کے گروہ کی تقدیس کا کوئی ذکر نہیں۔ اور نہ اولیا کا وہ مفہوم ہے جو عرف عام میں لیا جاتا ہے۔ یہ مسیحی رسم و رواج کے تتبع، باطنی رجحان اور باری تعالیٰ اور بندوں کے درمیان واسطہ قائم کرنے کی ایک کوشش کا نتیجہ تھا۔ اگرچہ اسلام میں اولیا کی درجہ بندی کوئی چیز نہیں لیکن کرامات کی بنا پر اولیا اور ان کے درجے قرار دیے جانے لگے۔ بارھویں صدی عیسوی تک سنیوں اور شیعوں کا یہ عقیدہ چلا آرہا تھا کہ اولیا سے حاجت طلبی شرک ہے لیکن بعض صوفیہ کی شریعت و طریقت کی باہم تطبیق و مفاہمت نے عقیدۂ توحید باری کو کمزور کر دیا۔

تصوف

تصوف کی ابتدا زہد، عبادت، ریاضت اور اس دھیان گیان سے ہوئی جو اوائل اسلام میں عیسائی راہبوں میں رائج و مقبول تھا۔ دوسری صدی ہجری کے بعد یہ ایک مشرب بن گیا جس نے رفتہ رفتہ مسیحیت، عرفانیت اور بودھ مت سے بہت سے عناصر اپنے اندر جذب کر کے مسٹزم، تھیوسوفزم اور وحدۃ الوجود کی منزلیں طے کر لیں۔

گوشہ نشینی، دھیان، فکر و ذکر اور مراقبہ شامی راہبوں کے تاثر کا غماز ہے۔ صوفیانہ طریقت

---

(۱) القشیری ص ۲۵-۲۴ - ہجویری ص ۱۳۰-۱۲۸

وحدانیت تیرھویں صدی عیسوی (ساتویں صدی ہجری) تک مرید و مرشد کے رابطہ کی شکل میں اسی طرح رونما ہوئی جیسے عیسائیوں میں قسیس اور اس کے مبتدی متبعین میں پایا جاتا ہے اور اسی طرح راہبانہ درجہ بندی تک جا پہنچا۔ اگرچہ اسلام کا مسلمہ اصول ہے لارھبانیۃ فی الاسلام۔

ابن خلدون کہتے ہیں "متاخرین صوفیہ نے کشف اور ماوراء الحس پر کلام کو اس قدر طول دیا ہے کہ بہت سے تو حلول و وحدت کا دعویٰ کر بیٹھے اور اس کے بیان سے کتابیں رنگ ڈالیں۔ ..... صوفیہ کے کلام میں قطب کا لفظ استعمال ہونے لگا جو چوٹی کے عارف کی ترجمانی کرتا تھا جس کی معرفت و عرفان میں کوئی ہمعصر ہمسری نہ کر سکے۔ اس کے مرنے کے بعد اس کی مسند کسی دوسرے صاحب عرفان کو ملتی ہے۔ چنانچہ ابن سینا نے کتاب الاشارات میں فصل تصوف میں قطب ہی کی اصطلاح کو سامنے رکھ کر کہا کہ اللہ کی ذات اس سے کہیں بالاتر ہے کہ ہر کس و ناکس اس کی معرفت حاصل کر لے، یا ایک ہی شخص اس کی معرفت کا ٹھیکیدار بن کر فرید عصر ہو جائے اور اس کے مرنے کے بعد دوسرا اس کی مسند سنبھالے۔ بلکہ بیک وقت کئی اشخاص اس کی معرفت کا شرف حاصل کر سکتے ہیں۔ بہرحال صوفیہ کے اس دعویٰ پر کوئی دلیل عقلی و نقلی نہیں۔"

وحدۃ الوجودی صوفی لا الہ الا اللہ کی تفسیر لا موجود الا اللہ بیان کرتا ہے۔ اس کی نظر میں دنیائے مادہ و حواس محض سراب و طلسم اور فریب عقل و نظر ہے۔ ذات واجب الوجود کا عکس ہے ممکن الوجود پر جسے ظاہر کی آنکھیں اصل سمجھتی ہیں، حالانکہ اصل کا محض سایہ ہیں، جیسے پانی کی صاف و ہموار سطح پر آفتاب کا عکس جو چلتا پھرتا زوال پذیر و فانی ہوتا ہے۔ ہوا کے جھونکے یا چلتے ہوئے بادل سے غائب ہو جاتا ہے، گو آفتاب اپنی جگہ پر ضیا پاش رہتا ہے۔

چیزیں اپنی اضداد سے ہی جانی پہچانی جاتی ہیں۔ روشنی تاریکی سے، نیکی بدی سے، صحت مرض سے وہکذا، شے لاشے سے حقیقت مجاز سے۔

یہ تو ہوا دائرۂ طریقت کا سمت ہبوط (اتار) اسی طرح اس کا سمت صعود (چڑھاؤ) بھی ہے جسے طے کر کے انسان اپنے وطن، اصل نقطۂ معراج پر واپس پہنچتا ہے اور فنا فی اللہ ہو کر

اس جوہر ازلی سے جا ملتا ہے جو اصل وجود ہے۔ یہاں سے فلسفہ تصوف مابعد الطبیعیات سے گذر کر روحانیات و اخلاقیات میں قدم رکھتا ہے۔ بدی ایک فریب نگاہ ہے۔ اس کا علاج جہل سے چھٹکارا حاصل کرنا ہے جو دنیائے مادہ و حواس (مجاز) کو حقیقت کے لباس میں جلوہ نما کرتا ہے۔ تمام شہواتِ انسانی، رنج و غم نفس یا خودی سے وابستہ ہیں اور نفس ایک بے حقیقت طلسم و فریب ہے۔ اس لیے طریقت کا پہلا اور سب سے لمبا قدم نفس (خودی) کو پھلانگ کر نکل جانا ہے۔ اس خلیج کو پار کرنے کے لیے عشق (عشق مجازی) پُل کا کام دیتا ہے۔ المجاز قنطرۃ الحقیقۃ۔ عشق صادق کے سہارے سالک خودی کو فراموش کرنا سیکھتا ہے اور اس منزل پر پہنچ جاتا ہے کہ

جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے

آخر میں وہ سمجھ پاتا ہے کہ وہ اپنے محبوب کے جس حسن و ادا پر فریفتہ ہے وہ اُسی حسنِ ازل کا ایک پرتو ہے جو ہزاروں آئینوں میں عکس افگن ہوتا ہے مگر ہوتا ہے واحد۔

تاریخ جمہوریت

مصنف: شاہد حسین رزاقی

قبائلی معاشروں اور یونانِ قدیم سے لیکر عہدِ انقلاب اور دورِ حاضرہ تک جمہوریت کی مکمل تاریخ جس میں جمہوریت کی نوعیت و ارتقا، مطلق العنانی اور جمہوریت کی طویل کش مکش، مختلف زمانوں کے جمہوری نظامات اور اسلامی و مغربی جمہوری افکار کو بڑی خوبی سے واضح کیا گیا ہے۔

یہ کتاب پنجاب یونیورسٹی نے بی اے آنرز کے نصاب میں شامل کی ہے۔ قیمت ۸ روپے

ملنے کا پتہ: سیکریٹری ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور